حالات وواقعات

ڈاکٹر محمد غطریف شہباز ندوی*

اسلاموفوبیا- کیا ہم خود بھی ذمہ دار نہیں؟

چند دن پہلے امریکہ میں آنے والے صدارتی انتخابات کے ایک امیدوار ڈونالڈ ٹرمپ نے یہ مطالبہ کر کے امریکیوں سمیت بہتوں کو حیران کر دیا کہ مسلمانوں کو امریکہ میں داخلہ کی اجازت نہ دی جائے۔ ان کے بیان کی شدید مذمت امریکہ میں بھی ہوئی ہے اور برطانیہ میں تو اب تک تیس ہزار لوگوں نے ان کے خلاف ایک دستخطی مہم پر اپنے دستخط ثبت کیے ہیں، تاہم ان کے بیان سے مغرب میں اسلاموفوبیا کا وجود عیاں ہو کر سامنے آ گیا ہے۔ اسلاموفوبیا کا لفظی مفہوم ہے: اسلام سے خطرہ محسوس کرنا یا مسلمانوں سے نفرت کا اظہار۔ اس اصطلاح کو پہلے پہل مغرب کے بعض لکھنے والوں نے استعمال کیا اور اب مغربی میڈیا کے ذریعے اس کا استعمال بہت عام ہو گیا ہے۔ اس پر ریسرچ ہو رہی ہے، اس کے بڑھتے ہوئے مظاہر پر مغربی مسلمانوں کے ساتھ خود مغرب کی حکومتیں بھی تشویش کا اظہار کر رہی ہیں اور اس کا مقابلہ کرنے کے طریقوں پر غور کیا جا رہا ہے۔

ویسے تو جب مسلمان اپنے دور عروج میں تھے، مغرب میں اسلاموفوبیا اس وقت بھی شباب پر تھا۔ متعصب عیسائی پادری اور رہنما پورے یورپ میں گھوم گھوم کر اسلام، پیغمبر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈا کرتے تھے اور انھیں بتاتے تھے کہ مسلمان ''محمد'' نام کے بت کی پوجا کرتے ہیں۔ یہ بدقماش نبی اکرم کا نام بگاڑ کر اس کو Mohmed, Mohamet یا Mohamend بولتے تھے اور آپ کو (نعوذ باللہ) ظالم وجابر بادشاہ، جھوٹا نبی، شہوت پرست حاکم باور کراتے تھے۔ صلیبی جنگیں انھی جھوٹے پروپیگنڈوں کی بنیاد پر مذہبی جوش وخروش سے لڑی گئیں۔ استشراق کی کلاسیکل تحریروں میں اس گمراہ کن پروپیگنڈے کی تفصیل موجود ہے۔ پھر استشراق کا دوسرا دور آیا اور اُس نے علمی وتحقیقی رنگ اختیار کر لیا تو اس گمراہ کن پروپیگنڈے کی شدت میں کمی آئی۔ پھر جب مسلمان زوال کا شکار ہوئے اور مغربی سامراج کو عروج ملا تو مختلف اسباب سے مسلمانوں نے مغرب کا رخ کرنا شروع کر دیا۔ نئی دنیا امریکہ میں اسپین اور افریقہ سے جبری مزدوری کے لیے ہزاروں مسلمان (مورسکو) لے جائے گئے تھے جن کی نسلیں وہیں کی باشندہ ہو گئیں۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد جرمنی کو دو ٹکڑوں میں بانٹ دیا گیا۔ جرمنی کے لوگوں کو اپنے ملک کی تعمیر نو کے لیے غیر ممالک سے افرادی قوت کی ضرورت پڑی جس کو ترکی کے مزدوروں نے پورا کیا۔ یہ مزدور جرمنی میں ہی رہ پڑے۔

---

* ڈائرکٹر فاؤنڈیشن فار اسلامک اسٹڈیز نئی دہلی۔ mohammad.ghitreef@gmail.com

اسی طرح الجزائر اپنی آزادی سے پہلے فرانس کے مقبوضات میں تھا، اس لیے الجزائر سے بھی بڑی تعداد میں مزدور پیرس وفرانس میں جا کر آباد ہو گئے۔ پھر شام ومصر اور عراق کے بادشاہوں اور ڈکٹیٹروں سے تنگ آکر ان ملکوں سے مذہب پسند نیز اشتراکی لوگ اور انقلابی عناصر سیاسی پناہ، امن وسکون، بہتر تعلیمی، رہائشی اور روزگار کے مواقع کی تلاش میں عام طور پر مغرب کا رخ کرنے لگے۔ برصغیر سے بھی بہت سے لوگ تعلیم اور ملازمت کے لیے وہاں پہنچے۔ اس کے بعد فلسطین کے المیہ، اسرائیل کے قیام اور اس سے مسلمانوں کے جبری انخلا کے بعد مغرب کی طرف اس مہاجرت میں اضافہ ہی ہوتا گیا۔

امریکہ، انگلینڈ اور یورپ کے دوسرے ممالک میں پہنچنے والے یہ تارکین وطن جب تک اپنی مزدوری یا ملازمت میں لگے رہے، کوئی مسئلہ وہاں کے لوگوں کو پیش نہیں آیا، مگر چونکہ ان تارکین وطن میں مذہب پسند بھی بڑی تعداد میں تھے لہٰذا جب انہوں نے مسجدوں اور اسلامک مراکز کے قیام کے ذریعے اپنے مذہبی وتہذیبی تشخص کا اظہار شروع کر دیا، تب سے مسئلہ پیدا ہونے لگا۔ تاہم چونکہ مغرب کا پورا معاشرہ سیکولر، جمہوری اور آزادی پسند ہے (جس کی بعض اقدار سے یقیناً اختلاف ہوسکتا ہے) لہٰذا اپنے انھی اصولوں کی بنیاد پر اہل مغرب مجبور تھے کہ مشرق اور خاص کر عرب دنیا سے آنے والے مسلمانوں کو مذہبی وکلچرل آزادیاں دیں اور انہوں نے دیں۔ لیکن تلخ حقیقت یہی ہے کہ تارکین وطن کا مذہبی اور تہذیبی تشخص کا Aggressive اظہار ہی وہ پوائنٹ تھا جب مغرب میں شدت سے اسلاموفوبیا کا ظہور ہونا شروع ہوا۔

حقیقت تو یہ ہے کہ انتہا پسندی ہر سماج میں اور ہر مذہبی اکائی میں موجود ہے۔ مسلمانوں میں بھی ہے اور غیر مسلموں میں بھی۔ مغرب میں مسلمانوں کے خلاف اسی انتہا پسندی کی ایک شکل اسلاموفوبیا ہے جس کے مظاہر مختلف صورتوں میں سامنے آرہے ہیں۔ جرمنی میں اس کا ظہور نیو نازی ازم کی تحریک میں ہوا ہے تو امریکہ میں ایونجلیکل فرقہ اس کی نمائندگی کرتا ہے۔ ڈنمارک اور انگلینڈ میں بعض سیاسی پارٹیاں اور لیڈر اس کی آواز اٹھاتے ہیں۔ اونجلیکل چرچ سے وابستہ کئی گروپ اور پادری اسرائیل کے ہم نوا ہیں اور عربوں اور مسلمانوں سے نفرت کا اظہار کرتے ہیں۔ اور بھی گروپ ہیں جو اس کے لیے سرگرم ہیں۔ کئی مسیحی پادری قرآن کو جلانے کی مہم میں پیش پیش ہیں۔ کئی پادری اور خواتین ڈبیٹر اپنی اسلام مخالف تقریروں کے لیے مشہور ہیں اور یوٹیوب پر ان کی ہرزہ سرائیاں سنی جاسکتی ہیں۔ 9/11 کے المیہ کے بعد امریکہ میں ایک اسلاموفوب گروپ نے Bomb The Caaba (کعبہ کو بم سے اڑا دو) کا مکروہ نعرہ بھی لگایا تھا۔ فرانس میں الٹرا سیکولر گروپوں اور حکومت کو مسلمان عورت کے حجاب (اسکارف) سے ڈر لگتا ہے۔ ڈنمارک میں ان کو مساجد کے میناروں سے خوف آتا ہے۔ سوئڈن اور پیرس میں پیغمبر اسلام کے استہزائیہ کارٹون بنا کر اس کا اظہار کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ بڑے پیمانہ پر مفلس اور خانماں برباد شامی مہاجرین کی یورپ کو منتقلی سے بھی مغرب میں بعض لوگوں پر نہ جانے کیوں دہشت طاری ہے! اس لے میں میڈیا کے بڑے بڑے گروپ، فرائیڈ مین جیسے اسرائیل نواز صحافی، جیری فالویل جیسے پادری، ڈینیل پائپس اور برنارڈ لویس جیسے بڑے مستشرق سر میں سر ملائے ہوئے ہیں۔ ٹرینڈاڈ میں مقیم ہندنژاد نوبل انعام یافتہ مصنف وی ایس نائپال کی تحریریں مسلمانوں کے بارے میں متعصّبانہ ہیں۔

اس کے علاوہ امریکہ کے فوکس نیوز، CNBC,CNN وغیرہ اپنی رپورٹوں اور تجزیوں میں ان کے بارے میں جانب دار نہیں ہیں۔ ان کے اکثر اینکر اور رپورٹرز مسلمانوں اور عربوں سے عناد اور اسرائیل کے لیے نرم گوشہ رکھتے ہیں۔

اسلاموفوبیا کے علمبردار گروپ عام طور پر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف وہی الزام لگاتے ہیں جو ہندوستان میں فسطائی قوتیں لگاتی ہیں۔ یہ کہ مسلمان کئی کئی شادیاں کرتے اور زیادہ بچے پیدا کرتے ہیں، اگر ان کی یورپ کو نقل مکانی نہ روکی گئی تو یہ کچھ ہی دنوں میں آبادی کا حلیہ اور تناسب بدل دیں گے، ان کی اکثریت ہو جائے گی تو یہ Rule کریں گے اور ہماری آزادیوں اور تہذیب کو برباد کر دیں گے۔ یہ امن عالم کے لیے خطرہ ہیں کیونکہ یہ اپنے مذہب کی رو سے دوسرے مذاہب کے ساتھ امن اور چین سے نہیں رہ سکتے۔ یہ مغربی تہذیب وتمدن کے لیے اور مغربی اقدار کے لیے خطرہ ہیں۔ عورت کو یہ غلام بنا کر رکھتے ہیں، انسان کو اظہار خیال کی آزادی یہ نہیں دیتے، تہذیب کے ارتقا میں ان کا کوئی کردار نہیں ہے، وغیرہ۔ بلاشبہ بعض لوگوں کو اسلام کے بارے میں غلط فہمیاں بھی ہوں گی مگر اکثر یہ پروپیگنڈا جان بوجھ کر کیا جاتا ہے۔ اسی طرح اسلاموفوبیا کا ایک مستقل ہتھیار رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس شخصیت کی اہانت ہے جس کے لیے وہ کارٹون بناتے ہیں، سیرت پر کتابیں شائع کرتے ہیں اور چن چن کر ایسے واقعات پر فوکس کرتے ہیں جن سے رسول اللہ کی شخصیت مجروح ہو اور بدقسمتی سے سارا مسالہ ان کو مسلمانوں کے ہاں رائج اور جعلی روایات پر مبنی سیرت لٹریچر سے مل جاتا ہے۔ مغرب میں بہت سی کتابیں ایسی بھی لکھی گئی ہیں اور لکھنے والے اہم مصنف اور ناول نگار ہیں جن میں مغرب کے زوال کی پیشین گوئی کی گئی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر عربوں کی پیش قدمی نہ روکی گئی تو یورپ، یورپ نہیں رہے گا، یوروسلام بن جائے گا۔

9/11 کے حادثہ سے پہلے ہی اسلاموفوبیا مغرب میں موجود تھا، چنانچہ مراکش کے ایک ریسرچ اسکالر نے اس مسئلہ کا جائزہ لیا تو پایا کہ صرف دو دہائیوں کے عرصہ میں تقریباً پچیس ہزار کتابیں، کتابچے، فلمیں، کارٹون اور ہینڈ بل اسلام اور مسلمانوں کے خلاف شائع کیے گئے۔ البتہ یہ بات ضرور کہی جا سکتی ہے کہ گیارہ ستمبر کے بعد اس میں تیزی آئی اور اب القاعدہ اور داعش جیسے دہشت گرد مسلمان گروپوں کی مجنونانہ، غیر اسلامی، غیر انسانی وغیر عقلی حرکتوں، دہشت گردی اور معصوموں کے قتل عام کی وارداتوں سے اس لے میں بہت ہی شدت آ گئی ہے۔ حد تو یہ ہے کہ دولت اسلامیہ کے مقابلہ میں دولت مسیحیہ کے عنوان سے ایک شدت پسند تنظیم کا نام بھی سامنے آیا ہے۔

اسلاموفوبیا کے ان خارجی مظاہر کے ساتھ کچھ داخلی اسباب بھی ہیں اور ان کو بھی لازماً قارئین کے سامنے لایا جانا چاہیے۔ مثال کے طور پر کئی مسلمانوں نے نہ صرف مغرب میں بلکہ انڈیا میں بھی جمہوریت اور سیکولرزم کے خلاف لفظی جنگ چھیڑ رکھی ہے۔ بعض سرپھرے سیکولر جمہوریت کو کفر وشرک بتاتے ہیں اور اپنے اس مطلق فتوے میں وہ بدلے حالات وزمانہ کی رعایت یا مسلم اکثریت یا اقلیت کے حالات کے اختلاف کی بھی کوئی پروا نہیں کرتے۔ روایتی مسلم علما، اسلام کے قانون جہاد کی معقول عصری تشریح کرنے میں ناکام ہیں جو جدید ذہن کو اپیل کر سکے۔ ان میں سے بہت سے آج بھی تبدیلی مذہب پر لوگوں کی گردن ناپنے کے لیے تیار ہیں، آج بھی لونڈی غلام کے پرانے عرف (جس کی آج کوئی گنجائش نہیں) کی وکالت کرتے ہیں۔ اور بعض لوگ تو مغرب میں بیٹھ کر، اس کی آزادیوں سے فیض یاب ہو کر

وہاں اسلامی خلافت کے قیام کی بے وقت کی راگنی گاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ غیر مسلموں سے نفرت اسلام کا تقاضا ہے، شوکت کفر (Power) کو توڑنا مسلمانوں کا فرض ہے۔ یہ اسلامی حجاب کی بھی یک رخی تشریح کرتے ہیں۔ جہاد کی غلط تشریح کرنے والے یہ لوگ اگرچہ زیادہ نہیں، لیکن یہی مٹھی بھر لوگ اپنی انتہا پسندانہ سوچ اور اقدامات سے اسلام اور مسلمانوں کی غلط ترجمانی کا سبب بن جاتے ہیں کیونکہ میڈیا اِنھی کی باتیں اچک لیتا اور ان پر مباحثے کرنے بیٹھ جاتا ہے جن میں اسلام کا صحیح فہم رکھنے والوں کو اکثر نہیں بلایا جاتا۔

مذہب کے اِنھی ٹھیکہ داروں کی غیر عقلی، غیر اسلامی، من مانی، یک رخی، غیر حقیقت پسندانہ تشریح دین ہی اسلام ومسلمانوں کی منفی شبیہ بنانے کی سب سے بڑی ذمہ دار ہے۔ برطانیہ میں مذکورہ باتوں کی تبلیغ کرنے والے دو عرب شیوخ ابوحمزہ المصری اور عمر البکری کے چرچے تو اخبارات میں بھی آئے۔ جمہوریت کی مخالفت کرنے والے اور عالمی خلافت کے نعرے لگانے والے یہ شعور نہیں رکھتے کہ وہ اپنے زمانہ کی روح سے لڑ رہے ہیں اور زمانہ کی روح سے لڑنا صرف اپنے آپ کو شکست دینا ہے۔ اس وقت جمہوریت پوری دنیا کے اجتماعی شعور کا حصہ بن چکی ہے اور اس کی خواہ مخواہ کی مخالفت اپنے آپ کو صرف نکو بنانا ہے اور ایسی مہم ہے جس کا مقدر ہی ناکامی ہے۔ اسلام سراسر حقیقت پسندی کا دین ہے اور اسوہ نبوی میں ہمیں قدم قدم پر حقیقت پسندی کی تعلیم ملتی ہے، لیکن آج ہم نے گویا قسم کھا رکھی ہے کہ حقیقت پسندی سے کوئی ناتا نہ رکھیں گے۔

ہمارے بیشتر اقدامات ردعمل میں اور جذباتی اور ''غیر'' سے نفرت پر مبنی ہوتے ہیں۔ شریعت کی تفہیم ہمارے علما عموماً ایسے بے لچک اور Rigid انداز میں کرتے ہیں جس سے نئی نسل اور جدید ذہن کو لگتا ہے کہ شریعت بھی چرچ ہی کی ایک شکل ہے، خاص کر جب ان کے سامنے عملی نمونہ وہ ہو جو طالبان کا ہے یا دولت اسلامیہ کا۔ خالص اسلام کی دعوت چھوڑ کر مسلک ومشرب کی دعوت دی جا رہی ہے جو بڑی مصیبت بن رہی ہے۔ کوئی سیاسی اسلام کی طرف بلا رہا ہے، کوئی صوفی اسلام کی طرف اور کوئی کسی اور اسلام کی طرف۔ ان مختلف طرح کے اسلاموں کے وکیلوں کی تحریریں کل حزب بما لدیھم فرحون (ہر گروہ اپنے ہی خیالات پر نازاں ہے) کی تصویر ہوتی ہیں۔

سچ ہمیشہ کڑوا ہوتا ہے، مگر مجھے کہنے دیجیے کہ اکثر مسلمان علما و دانشوروں کی تحریروں میں مغرب والوں کے لیے جو نفرت وکراہیت پائی جاتی ہے، وہ مسلمانوں میں انتہا پسندی اور جذباتی ردعمل کو ہوا دیتی ہے۔ ہمارے ہاں بہت سے لکھنے بولنے والے شروعات ہی مغرب کو لعن طعن اور صلواتیں سنانے سے کرتے ہیں، حالانکہ مغربی تہذیب کے منفی پہلوؤں کے ساتھ بہت سے پہلو یقیناً مثبت اور اچھے بھی ہیں جن کو appreciate کرنا چاہیے۔ دوسری قوموں اور انسانوں سے ہمارا مذہبی طبقہ کتنی نفرت کرتا ہے، اس کے لیے ان کی تحریروں اور تقریروں پر ایک سرسری سی نظر ڈال لینا کافی ہوگا۔ ایک ندوی عالم وادیب نے اپنی ضخیم عربی کتاب میرے پاس تبصرہ کے لیے بھیجی۔ آٹھ سو صفحہ سے زیادہ کی اس کتاب میں جگہ جگہ یہودیوں کو اولاد وحفدۃ الخنازیر (سور کے بچے) لکھا گیا ہے۔ راقم نے اپنے تبصرہ میں اس بات کی طرف توجہ دلائی کہ پوری قوم یہود کے لیے ایسے الفاظ استعمال کرنا شائستگی اور تہذیب کے خلاف تو ہے ہی، اسلامی روایات کے اور حقیقت واقعہ کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ اسرائیل کتنا ہی ظالم سہی، بہت سے یہودی دانشور بلکہ

مذہبی راہ نما بھی اس کے شدید ناقد اور فلسطینی کاز کے حامی ہیں۔ اور علما و داعیوں کو تو خاص کر ایسی زبان استعمال کرنے سے بچنا چاہیے۔

پڑھے لکھے مسلمانوں کا ایک بڑا حلقہ سازشی تھیوری میں جیتا ہے اور ہر واقعہ کی توجیہ اسی تھیوری سے کرتا اور اپنوں کی تمام غلطیوں و نادانیوں سے صرف نظر کر لیتا ہے۔ چنانچہ پیرس میں دہشت گردی کے واقعہ کو بھی اردو کے کئی بڑے کالم نگار یک گونہ جواز دیتے نظر آئے۔ ہمارے بہت سے علما بھی بالعموم مسلم عناصر کے ذریعہ انجام دی جانے والی دہشت گردی کو اپنے ''اگر مگر'' سے جواز دیتے رہے ہیں اور اگر کبھی اس کی مذمت بھی کرتے ہیں تو مسلکی رنگ میں۔ سوال یہ ہے کہ ہمارا یہ رویہ کیا غیروں کو ہم سے اور زیادہ برانگیختہ نہیں کرے گا؟

ایک اور پہلو بھی غور کرنے کا ہے کہ اسلام دشمن قوتوں کی طرف سے جان بوجھ کر اور بڑی پلاننگ سے عالمی سطح پر بھی اور وطن عزیز میں بھی مسلمانوں کو چھوٹے چھوٹے مسئلوں اور نان ایشوز میں الجھایا اور پھنسا دیا جاتا ہے۔ ان کی ساری قوتیں بے سرے احتجاجوں، ناکام مظاہروں اور بے نتیجہ دھرنوں اور مشتعل جلوسوں اور تشدد کی نذر ہو جاتی ہیں۔ اہانت رسول کے بدبختانہ واقعات، ملعون زمانہ کارٹون اور اسی قسم کے شوشے اسلاموفوبیا کا ضروری حصہ ہیں۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ہماری دینی و ملی قیادت زیادہ بیدار مغزی کا ثبوت دیتی اور قوم کو بے فائدہ مظاہروں میں لگانے کی بجائے وہ ناموس رسالت کی حفاظت کے کچھ مثبت اور متحرک متبادل ڈھونڈتی اور قوم کی تربیت ان خطوط پر کی جاتی کہ اِس طرح کے شوشوں کو نظر انداز کرنا بھی اسوۂ نبوی کا ہی ناگزیر حصہ ہے، اور موجودہ زمانہ میں تو اِس کی پہلے سے بھی کہیں زیادہ ضرورت ہے۔ اگر ایسا ہوا ہوتا تو شاید حالات آج اتنے خراب نہ ہوتے جن کا عالمی و ملکی سطح پر آج ہم کو سامنا ہے!

ڈاکٹر نذیر احمد قتل کیس

(عدالتی ریکارڈ کی روشنی میں مقدمے کی مکمل تفصیلات)

اردو ترتیب: چودھری محمد یوسف ایڈووکیٹ

[صفحات: ۲۷۷۔ قیمت: ۲۵۰ روپے]

ناشر: اخوان پبلی کیشنز، ۱۔ جہانگیر کالونی، کھوکھر کی گوجرانوالہ (0331-4602624)

(مکتبہ امام اہل سنت پر دستیاب ہے)